آغاز رسالت اور خفیہ دعوت کے ابتدائی تین سال

(۲)

نزول وحی کی ابتدا کب ہوئی؟ یہ اوّلین وحی جو سورہ علق کی پہلی پانچ آیتوں پر مشتمل ہے، کب نازل ہوئی؟ اس کے بارے میں اہلِ روایت کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن عبدالبرؒ اور مسعودی نے کہا ہے کہ حضورؐ کی بعثت ۸ ربیع الاول سن ۴۱ عام الفیل کو ہوئی، اور ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں اس کو قول الاکثرین کہا ہے، لیکن جن لوگوں کا یہ قول ہے انہوں نے غالباً بعثت کی ابتدا اُس وقت سے قرار دی ہے جب آپؐ کو بروایت بیہقی نزولِ وحی سے ۶ مہینے پہلے سچے خواب نظر آنے شروع ہوئے تھے۔ رہا نزولِ وحی تو اس باب میں قرآن مجید کا بیان صاف ہے کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ ۔ ۱۸۵)، "رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا" اس صریح نصِ قرآنی کے خلاف ظاہر ہے کہ کوئی دوسرا قول معتبر نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رمضان کی وہ کون سی تاریخ تھی جب نزولِ قرآن کا یہ سلسلہ شروع ہوا۔ اس باب میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض لوگ ۷ رمضان بتاتے ہیں۔ ابن سعد نے ایک جگہ ۱۲، اور دوسری جگہ امام محمد الباقرؒ کے حوالہ سے ۱۰ رمضان تاریخ لکھی ہے۔ طبری و ابن اثیر نے ابو قلابہؒ الجرمی کے حوالہ سے ۱۸ رمضان، اور بعض اور لوگوں نے ۱۹ رمضان تاریخ بیان کی ہے۔ واثلہؓ بن الاسقع، جابرؓ بن عبداللہ اور ابوالجلد کی روایت ۲۴ رمضان کی ہے۔ لیکن قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ "ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے"۔ اور علمائے امت کی بڑی اکثریت یہ رائے رکھتی ہے کہ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کوئی ایک طاق رات شبِ قدر ہے، بلکہ ان میں بھی زیادہ تر لوگ ستائیسویں رات کو شبِ قدر کہتے ہیں۔ (اضافہ از مؤلف)

اس معاملہ میں جو معتبر احادیث منقول ہوئی ہیں انہیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا وہ ستائیسویں یا انتیسویں رات ہے (ابوداؤد طیالسی)۔ دوسری روایت حضرت ابوہریرہؓ سے یہ ہے کہ وہ رمضان کی آخری رات ہے (مسند احمد)

حضرت اُبَی بن کعب سے زِر بن حُبَیش نے شبِ قدر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے حلفاً کہا اور اِستثنا نہ کیا کہ وہ ستائیسویں رات ہے (احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان)۔

حضرت ابوذرؓ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ، حضرت حذیفہؓ اور اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بہت سے لوگوں کو اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے (ابن ابی شیبہ)۔

حضرت عُبادہؓ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ قدر رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق رات ہے، اکیسویں، یا تئیسویں، یا پچیسویں، یا ستائیسویں، یا انتیسویں، یا آخری (مسند احمد)۔

حضرت عبداللہؓ بن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے رمضان کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو، جب مہینہ ختم ہونے میں ۹ دن باقی ہوں، یا سات دن باقی، یا پانچ دن باقی (بخاری)۔ اکثر اہلِ علم نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ حضورؐ کی مراد طاق راتوں سے تھی۔

حضرت ابوبکرؓ کی روایت ہے کہ ۹ دن باقی ہوں، یا سات دن، یا پانچ دن، یا تین دن، یا آخری رات۔ مراد یہ تھی کہ ان تاریخوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو (ترمذی، نسائی)۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ قدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق رات میں تلاش کرو (بخاری، مسلم، احمد، ترمذی)۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تازیست رمضان کی آخری دس راتوں میں اعتکاف فرمایا ہے۔

اس معاملہ میں جو روایات حضرت معاویہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابنؓ عباس وغیرہ بزرگوں سے مروی ہیں ان کی بنا پر علمائے سلف کی بڑی تعداد ستائیسویں رمضان ہی کو شبِ قدر سمجھتی ہے (تفہیم القرآن، جلد ششم، القدر، حاشیہ ۱)

نبوت کے بعد پہلا فرض، نماز طبری نے لکھا ہے کہ سب سے پہلی چیز جو اقرارِ توحید اور بتوں سے برأت کے بعد شرائعِ اسلام میں سے فرض کی گئی وہ نماز تھی۔ سُہَیلی نے ابن لَہیعہ کی روایت حضرت زیدؓ بن حارثہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہونے کے بعد جبریلؑ آپ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ کو وضو کی تعلیم دی۔ ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس کی تشریح ابن اسحٰق کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ حضورؐ مکہ کے بالائی حصہ میں تھے۔ جبریل بہترین صورت اور بہترین خوشبو کے ساتھ آپ کے سامنے ظاہر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے محمدؐ، اللہ نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ جن و انس کی طرف میرے رسول ہیں اس لیے آپ قولِ لا الٰہ الا اللہ کی طرف اُن کو دعوت دیں۔ پھر انہوں نے زمین پر پاؤں مارا جس سے پانی کا ایک چشمہ اُبل پڑا اور انہوں نے وضو کیا تاکہ

آپ نماز کے لیے پاک ہونے کا طریقہ سیکھ لیں۔ پھر آپ سے کہا کہ اب آپ وضو کریں۔ پھر جبرئیل نے حضور کے ساتھ دو رکعتیں چار سجدوں کے ساتھ پڑھیں۔ اس کے بعد حضور حضرت خدیجہؓ کو وہاں لائے اور وضو کرایا اور دو رکعتیں ان کے ساتھ پڑھیں۔ ابن ہشام، ابن جریر اور ابن کثیر نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

امام احمد، ابن ماجہ اور طبرانی (فی الاوسط) وغیرہم نے اُسامہؓ بن زید سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت زیدؓ بن حارثہ سے نقل کیا ہے کہ حضور پر وحی آنے کے بعد پہلا کام یہ ہوا کہ جبرئیل نے آکر آپ کو وضو کا طریقہ بتایا پھر جبرئیل نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ سے کہا کہ آپ اُن کے ساتھ نماز پڑھیں۔ پھر حضور گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے اس کا ذکر کیا۔ وہ خوشی کے مارے مدہوش ہو گئیں۔ پھر حضورؐ نے ان کو اسی طرح وضو کرنے کے لیے کہا اور ان کو ساتھ لے کر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح آپ نے جبرئیل کے ساتھ پڑھی تھی۔ پس یہ پہلا فرض تھا جو نزولِ اِقْرَاْ کے بعد مقرر کیا گیا۔ اغلب یہ ہے کہ یہ اُسی رات کی صبح کا واقعہ ہے جس رات اِقْرَاْ نازل ہوئی۔ اس کے بعد حضورؐ اور حضرت خدیجہؓ خفیہ طریقہ سے نماز پڑھتے رہے۔

پہلے چار مسلمان یہ بات متفق علیہ ہے کہ سب سے پہلی مسلمان حضرت خدیجہؓ تھیں۔ اس کے بعد اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ میں سے کون سب سے پہلے اسلام لایا۔ بہر حال یہ بالاتفاق تسلیم کیا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد اوّلین اسلام لانے والے یہی تین حضرات تھے۔

حضرت علیؓ کے متعلق حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں ابن اسحٰق کی روایت نقل کی ہے کہ جب حضورؐ اور حضرت خدیجہؓ نے خفیہ طریقے سے نماز پڑھنی شروع کی تو اس کے ایک دن بعد حضرت علیؓ نے ان کو حالتِ نماز میں دیکھ لیا۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا "یہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے اور جس کے ساتھ اس نے اپنے رسول بھیجے ہیں۔ لہٰذا میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کو مانو اور اس کی عبادت کرو اور لات و عزّیٰ کا انکار کر دو"۔ حضرت علی جو اُس وقت دس سال کے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ یہ ایسی بات ہے جو آج سے پہلے میں نے کبھی نہ سُنی تھی، میں فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک اپنے والد سے نہ پوچھ لوں۔ حضور اُس وقت یہ نہ چاہتے تھے کہ آپ کا راز قبل از وقت ظاہر ہو جائے، اس لیے آپ نے فرمایا اگر تم قبول نہیں کرتے تو اس بات کو مخفی رکھو۔ اُس رات حضرت علیؓ نے توقف کیا۔ پھر اللہ نے ان کے دل میں اسلام ڈال دیا اور صبح انہوں نے حاضر ہو کر پوچھا کہ کل آپ نے میرے سامنے کیا بات پیش فرمائی تھی؟ حضورؐ نے فرمایا یہ کہ تم گواہی دو کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور لات و عُزّیٰ کا انکار کرو، اور اللہ کے سوا دوسرے شریکوں سے قطع تعلق کر لو"۔ حضرت علیؓ نے فوراً اسے قبول کر لیا، لیکن ابوطالب کے خوف سے اپنا اسلام مخفی رکھا۔ البتہ وہ بھی حضور کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔

ابن جریر طبری اور ابن عبد البرؒ نے عفیف کندیؓ (اشعثؓ بن قیس کے ماں جائے اور چچا زاد بھائی) کا بیان نقل کیا ہے کہ عباسؓ بن عبد المطلب میرے پرانے دوست تھے اور اکثر یمن آکر عطر خریدتے اور حج کے زمانے میں فروخت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایام حج میں جب میں اُن سے منیٰ میں ملا تو میں نے دیکھا کہ ایک مرد معقول آیا اور اس نے خوب اچھی طرح وضو کیا، پھر وہ نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اور اس نے بھی وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ پھر ایک لڑکا جو ابھی بلوغ کی عمر سے کم تھا آیا اور اس نے بھی وضو کیا اور پہلے شخص کے پہلو میں نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا اے عباس یہ کیا دین ہے، اسے تو میں نہیں جانتا۔ عباس نے کہا "یہ میرے بھائی کے بیٹے محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں، ان کا دعوےٰ ہے کہ اللہ نے ان کو رسول بنا کر بھیجا ہے (اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے لیے فتح ہو جائیں گے)۔ اور یہ دوسرا میرا بھتیجا علیؓ بن ابی طالب ہے جس نے ان کے دین میں ان کی پیروی اختیار کی ہے۔ اور یہ ان کی بیوی خدیجہؓ بنت خُویلد ہیں اور انہوں نے بھی ان کے دین میں ان کی پیروی کی ہے"۔ بعد میں جب عفیف کندیؓ خود مسلمان ہوئے تو وہ حسرت کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ کاش اُس وقت میں اُن میں کا چوتھا ہوتا۔

ابن ہشام اور ابن جریر نے لکھا ہے کہ بعد میں کسی وقت ابو طالب نے بھی حضرت علیؓ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ پوچھا بیٹا یہ کیا دین ہے جس پر تو چل رہا ہے؟ انہوں نے کہا "ابا جان میں اللہ اور اس کے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لایا ہوں اور ان کی تصدیق کی ہے اور ان کے ساتھ نماز پڑھی ہے"۔ ابو طالب نے کہا "وہ تمہیں بھلائی کے سوا کبھی کسی چیز کی طرف دعوت نہ دیں گے۔ تم ان کے ساتھ لگے رہو"۔ ابن کثیر نے ابو طالب کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "اپنے چچا زاد بھائی کا ساتھ دو اور ان کی مدد کرو"۔

حضرت ابو بکرؓ کے متعلق زُرقانی نے شرحِ مَواہب میں لکھا ہے کہ وہ حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت حکیم کی لونڈی ان کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ آپ کی پھوپھی آج کہہ رہی تھیں کہ ان کے شوہر حضرت موسیٰؑ کی طرح نبی ہیں جنہیں اللہ نے بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابو بکرؓ سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور یہ معلوم کرتے ہی کہ اس لونڈی کا بیان صحیح تھا، بلا تامّل ایمان لے آئے۔ ابن اسحٰق نے عبد اللہ بن الحُصَین التمیمی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جس کے سامنے بھی اسلام پیش کیا اس نے کچھ نہ کچھ تردّد کیا اور سوچا، مگر ابو بکرؓ سے جونہی میں نے اس کا ذکر کیا انہوں نے کوئی تردّد نہ کیا اور تسلیم کرنے میں ذرا سی دیر بھی نہیں لگائی۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ کے متعلق کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے کہ وہ کیسے ایمان لائے۔ مگر ۱۵ سال سے وہ حضورؐ کے ساتھ آپ کے گھر کے ایک فرد کی طرح رہتے تھے۔ ضرور ہے کہ حضورؐ اور حضرت خدیجہؓ کو انہوں نے بھی نماز پڑھتے دیکھا ہوگا اور یہی ان کے اسلام لانے کا سبب بنا ہوگا۔

ان واقعات سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ حضورؐ ابتدا میں پوشیدہ طریقہ سے کام کر رہے تھے، لیکن آپ کے اور حضرت خدیجہؓ کے قریبی رشتہ داروں کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ آپ دین آبائی کے خلاف ایک دوسرا دین پیش کر رہے ہیں، اللہ کی طرف سے نبی مقرر ہونے کا دعوٰی کر رہے ہیں، اور آپ کے اس دعوے کو نہ صرف یہ کہ آپکے اہل خانہ اور کم از کم ایک دوست نے مان لیا ہے، بلکہ اس کے مطابق عبادت بھی دوسرے طریقے پر شروع کر دی ہے۔ تاہم چونکہ یہ علم دشمنوں کو نہیں بلکہ آپ کے خیر خواہوں اور آپ سے گہری محبت و ہمدردی رکھنے والوں کو ہوا تھا، اس لیے انہوں نے اُس پردے کو پڑا رہنے دیا جو آغاز میں حضورؐ ڈالے رکھنا چاہتے تھے، اور اس بات کا کوئی چرچا نہ کیا کہ قبل از وقت مخالفت شروع ہو جاتی۔

کیا ابتدائی تین سالوں میں حضرت اسرافیلؑ آپؐ کی تعلیم کے لیے مقرر کیے گئے تھے؟

ابن جریر نے اپنی تاریخ میں، اور ابن سعد نے طبقات، اور قسطلانی نے مواہب اللدنیہ، اور زرقانی نے شرح مواہب میں مشہور تابعی امام شعبی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ "نبوت کے بعد ابتدائی تین سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت اسرافیلؑ کو تعلیم کے لیے لگا دیا گیا تھا۔ وہ وحی نہیں لاتے تھے کیونکہ وحی لانا صرف جبریل علیہ السلام کا کام تھا، البتہ وہ کسی اور طریقہ سے حضورؐ کو علوم کی تعلیم دیتے تھے"۔ ممکن ہے کہ یہ طریقہ خواب ہو، یا دل میں القاء ہو، یا بالمشافہہ تلقین ہو۔ امام احمد بن حنبل اور یعقوب بن سفیان الحافظ اور بیہقی نے بھی امام شعبی کی اس روایت کو نقل کیا ہے، اور اُن تک اس کی سند صحیح ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ خود شعبی کو یہ خبر کس ذریعہ سے پہنچی، کیونکہ انہوں نے حضورؐ تک اس کی سند بیان نہیں کی ہے۔ ابن سعد اور ابن جریر نے لکھا ہے کہ واقدی نے اس کی صحت سے قطعی انکار کیا ہے اور حتمی طور پر یہ کہا ہے کہ حضورؐ کے ساتھ جبرئیلؑ کے سوا کوئی دوسرا فرشتہ نہیں لگایا گیا۔

یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا نہ قطعی انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ قطعی اقرار۔ انکار اس لیے مشکل ہے کہ شعبی ایک ثقہ محدث ہیں اور ان کی مُرسَل روایت بھی ایسی کمزور نہیں ہو سکتی کہ اسے بالکل رد کر دیا جائے۔ لیکن اس کو ایک یقینی واقعہ بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ روایت اپنی سند کے لحاظ سے ایسی مضبوط بھی نہیں ہے کہ اسے ضرور تسلیم ہی کر لیا جائے۔ تاہم یہ امر بعید از امکان نہیں ہے کہ نبوت کے بعد حضورؐ کے اقوال اور اعمال میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق

علم و دانش کا جو ہمہ گیر خزانہ ہمیں ملتا ہے، جس سے حدیث و سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اور جس کی کوئی نظیر کسی دوسرے انسان کے اقوال و اعمال میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی نہیں ملتی، وہ ضرور غیب سے آپ پر القا ہوتے ہوں گے، اور کیا عجب کہ اس خزانے کو آپ کے سینے میں بھر دینے کی خدمت اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل علیہ السلام سے لی ہو۔

فترۃ الوحی پہلی وحی نازل ہونے کے بعد ایک مدت تک جبریل علیہ السلام کوئی وحی نہ لائے اور اس پر آپ کا رنج و غم اتنا ہی بڑھتا چلا گیا جتنی یہ مدت طویل ہوتی گئی، حتیٰ کہ آپ بےخودی کے عالم میں کبھی ثبیر (مکہ کے ایک پہاڑ) اور کبھی حراء پر جا کر ارادہ فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو نیچے گرا دیں۔ اس حالت میں جب کہ آپ کسی پہاڑ کے کنارے کا رخ کر رہے تھے، آپ نے آسمان سے ایک آواز سنی اور آپ ٹھہر گئے۔ نظر اٹھا کر دیکھا تو جبریل آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے نظر آئے اور انہوں نے کہا کہ "اے محمدؐ! آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔" ابن سعد نے اس کا قصہ حضرت عبداللہؓ بن عباس سے اور ابن جریر نے تفسیر میں امام زہری سے نقل کیا ہے۔ بخاری و مسلم اور مسند احمد میں بھی اس کی تفصیلات مذکور ہیں۔ (اضافہ از مؤلف)

امام زہری کی روایت یہ ہے:

"ایک مدت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول بند رہا اور اس زمانے میں آپ پر اس قدر شدید غم کی کیفیت طاری رہی کہ بعض اوقات آپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینے کے لیے آمادہ ہو جاتے تھے۔ لیکن جب کبھی آپ کسی چوٹی کے کنارے پر پہنچتے جبریل علیہ السلام نمودار ہو کر آپ سے کہتے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، اس سے آپ کے دل کو سکون ہو جاتا تھا، اور وہ اضطراب کی کیفیت دور ہو جاتی تھی۔" (ابن جریر)

اس کے بعد امام زہری حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فترۃ الوحی (وحی بند رہنے کے زمانے) کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا "ایک روز میں راستے سے گزر رہا تھا، یکایک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ سر اٹھایا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا، آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں یہ دیکھ کر سخت دہشت زدہ ہو گیا، اور گھر پہنچ کر میں نے کہا مجھے اڑھاؤ، مجھے اڑھاؤ۔ چنانچہ گھر والوں نے مجھ پر لحاف (یا کمبل) اڑھا دیا۔ اس وقت اللہ نے وحی نازل کی یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۔۔۔۔۔۔ پھر لگاتار مجھ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔" (بخاری، مسلم، مسند احمد، ابن جریر)

(تفہیم القرآن جلد ششم، دیباچہ سورۃ المدثر)

سورۂ مدّثر کی ابتدائی سات آیات کا نزول اس طرح فترۃ الوحی کا زمانہ ختم ہوا اور سورۂ مدثر کی ابتدائی سات آیات نازل ہوئیں جن میں حضورؐ کو منصبِ رسالت پر مامور کر کے وہ ضروری ہدایات دی گئیں جو اس منصب کے فرائض ادا کرنے کے لیے درکار تھیں۔ یہاں اِس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ سورۂ علق کی پہلی پانچ آیات صرف یہ ظاہر کرتی تھیں کہ آپ پر نزولِ وحی کا آغاز ہوگیا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی بنا دیے گئے ہیں۔ اب سورۂ مدثر کی اِن آیات میں آپ کو نبوت کے ساتھ ساتھ فریضۂ رسالت بھی سونپ دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ آپ اُٹھ کر اس فرض کو ادا کرنا شروع کر دیں۔ اِن آیات کے متعلق بعض روایات میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ یہی قرآن مجید کی اوّلین آیات ہیں۔ چنانچہ بخاری، مسلم، ترمذی، اور مسنداحمد وغیرہ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ انصاری سے اس کی صراحت منقول ہوئی ہے۔ لیکن امت میں یہ بات قریب قریب بالاتفاق مسلّم ہے کہ سب سے پہلے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ سے مَا لَمْ یَعْلَمْ تک پانچ آیات نازل ہوئی تھیں۔ اس کے بعد بقولِ ابنِ اثیر، زمانۂ فترۃ (وحی بند رہنے کا زمانہ) سورۂ مدثر کی ان آیات کے نزول تک رہا۔ پھر اس کے بعد وحی کا سلسلہ از سرِ نو شروع ہو گیا۔ خود حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری سے امام زُہری نے یہ بات نقل کی ہے کہ ان آیات کے نزول سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی فرشتے کو آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے دیکھا تھا جو حرا میں آپ کے پاس آیا تھا۔ یہ روایت ہم اوپر بخاری و مسلم وغیرہ کے حوالہ سے درج کر چکے ہیں۔ (اضافہ از مؤلف)

اب سورۂ مدثر کی ان آیات کو ملاحظہ کیجیے اور دیکھیے کہ ان میں کیا ہدایات دی گئی تھیں:

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ — اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے

(آیت ۱)

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ایہا الرسول یا یا ایہا النبی کہہ کر مخاطب کرنے کے بجائے یا ایہا المدثر کہہ کر کیوں مخاطب کیا گیا ہے؟ چونکہ حضور یکایک جبریل علیہ السلام کو آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھے دیکھ کر ہیبت زدہ ہوگئے تھے اور اسی حالت میں گھر پہنچ کر آپ نے اپنے اہل خانہ سے فرمایا تھا کہ مجھے اڑھاؤ، مجھے اڑھاؤ، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یا ایہا المدثر کہہ کر خطاب فرمایا۔ اس لطیف طرزِ خطاب سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اے میرے پیارے بندے، تم اوڑھ لپیٹ کر لیٹ کہاں گئے، تم پر تو ایک کارِ عظیم کا بار ڈالا گیا ہے جسے انجام دینے کے لیے تمھیں پورے عزم کے ساتھ اُٹھ

کھڑا ہونا چاہیے۔

قُمْ فَاَنْذِرْ اٹھو اور خبردار کرد

(آیت ۲)

یہ اُسی نوعیت کا حکم ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کو نبوت کے منصب پر مامور کرتے ہوئے دیا گیا تھا کہ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ "اپنی قوم کے لوگوں کو ڈراو قبل اس کے کہ ان پر ایک دردناک عذاب آجائے" (نوح۔ ۱)۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اسے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور تمہارے گرد وپیش خدا کے جو بندے خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان کو چونکا دو۔ انہیں اُس انجام سے ڈراؤ جس سے یقیناً وہ دوچار ہوں گے اگر اسی حالت میں مبتلا رہے۔ انہیں خبردار کردو کہ وہ کسی اندھیر نگری میں نہیں رہتے ہیں جس میں وہ اپنی مرضی سے جو کچھ چاہیں کرتے رہیں اور ان کے کسی عمل کی کوئی باز پُرس نہ ہو۔

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔

(آیت ۳)

یہ ایک نبی کا اولین کام ہے جسے اس دُنیا میں اسے انجام دینا ہوتا ہے۔ اُس کا پہلا کام ہی یہ ہے کہ جاہل انسان یہاں جن جن کی بڑائی مان رہے ہیں ان سب کی نفی کردے اور ہانکے پکارے دنیا بھر میں یہ اعلان کردے کہ اس کائنات میں بڑائی ایک خدا کے سوا کسی اور کی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کلمہ اللہ اکبر کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اذان کی ابتدا ہی اللہ اکبر کے اعلان سے ہوتی ہے۔ نماز میں بھی مسلمان تکبیر کے الفاظ کہہ کر داخل ہوتا ہے اور بار بار اللہ اکبر کہہ کر اٹھتا اور بیٹھتا ہے۔ جانور کے گلے پر چھری بھی پھیرتا ہے تو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر پھیرتا ہے۔ نعرہ تکبیر آج ساری دُنیا میں مسلمان کا سب سے زیادہ نمایاں امتیازی شعار ہے کیونکہ اس امت کے نبیؐ نے اپنا کام ہی اللہ کی تکبیر سے شروع کیا تھا۔

اس مقام پر ایک اور لطیف نکتہ بھی ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ جیسا کہ ان آیات کی شانِ نزول سے معلوم ہو چکا ہے، یہ پہلا موقع تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کا عظیم الشان فریضہ انجام دینے کے لیے اُٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا، اور یہ بات ظاہر تھی کہ جس شہر اور معاشرے میں یہ مشن لے کر اُٹھنے کا آپ کو حکم دیا جا رہا تھا وہ شرک کا گڑھ تھا۔ بات صرف اتنی ہی نہ تھی کہ وہاں کے لوگ عام عربوں کی طرح مشرک تھے، بلکہ اس سے بڑھ کر بات یہ تھی کہ مکہ معظمہ مشرکین عرب کا سب سے بڑا تیرتھ بنا ہوا تھا اور قریش کے لوگ

اس کے مُجاوِر تھے۔ ایسی جگہ کسی شخص کا تنِ تنہا اُٹھنا اور شرک کے مقابلے میں توحید کا علَم بلند کر دینا بڑے جان جوکھوں کا کام تھا۔ اسی لیے "اٹھو اور خبردار کرو" کے بعد فوراً ہی یہ فرمانا کہ آپ اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو" اپنے اندر یہ مفہوم بھی رکھتا ہے کہ جو ہولناک طاقتیں اس کام میں تمہیں مُزاحم نظر آتی ہیں ان کی ذرا پروا نہ کرو، اور صاف صاف کہہ دو کہ میرا رب اُن سب سے بڑا ہے جو میری اس دعوت کا راستہ روکنے کے لیے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ یہ بڑی سے بڑی ہمت افزائی ہے جو اللہ کا کام شروع کرنے والے کسی شخص کی کی جا سکتی ہے۔ اللہ کی کبریائی کا نقش جس آدمی کے دل پر گہرا جما ہوا ہو وہ اللہ کی خاطر اکیلا ساری دُنیا سے لڑ جانے میں بھی ذرہ برابر ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے گا۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ (آیت ۴) اور اپنے کپڑے پاک رکھو

یہ بڑے جامع الفاظ ہیں جن کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ ان کا ایک مطلب یہ ہے کہ اپنے لباس کو نجاست سے پاک رکھو، کیونکہ جسم و لباس کی پاکیزگی اور روح کی پاکیزگی دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ایک پاکیزہ روح گندے جسم اور ناپاک لباس میں نہیں رہ سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس معاشرے میں اسلام کی دعوت لے کر اُٹھے تھے وہ صرف عقائد اور اخلاق کی خرابیوں ہی میں مبتلا نہ تھا بلکہ طہارت و نظافت کے بھی ابتدائی تصورات تک سے خالی تھا، اور حضورؐ کا کام ان لوگوں کو ہر لحاظ سے پاکیزگی کا سبق سکھاتا تھا۔ اس لیے آپ کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ اپنی ظاہری زندگی میں بھی طہارت کا ایک اعلیٰ معیار قائم فرمائیں۔ چنانچہ یہ اسی ہدایت کا ثمرہ ہے کہ حضورؐ نے نوعِ انسانی کو طہارتِ جسم و لباس کی وہ مفصل تعلیم دی ہے جو زمانۂ جاہلیت کے اہلِ عرب تو درکنار، آج اس زمانے کی مہذب ترین قوموں کو بھی نصیب نہیں ہے، حتیٰ کہ دُنیا کی بیشتر زبانوں میں ایسا کوئی لفظ تک نہیں پایا جاتا جو "طہارت" کا ہم معنی ہو۔ بخلاف اس کے اسلام کا حال یہ ہے کہ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں اسلامی احکام کا آغاز ہی کتاب الطہارت سے ہوتا ہے جس میں پاکی اور ناپاکی کے فرق اور پاکیزگی کے طریقوں کو انتہائی تفصیلی جزئیات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا مفہوم ان الفاظ کا یہ ہے کہ اپنا لباس صاف ستھرا رکھو۔ راہبانہ تصورات نے دُنیا میں مذہبیت کا معیار یہ قرار دے رکھا تھا کہ آدمی جتنا زیادہ میلا کچیلا ہو اتنا ہی زیادہ وہ مقدس ہوتا ہے۔ اگر کوئی ذرا

اُجلے کپڑے ہی پہن لیتا تو سمجھا جاتا تھا کہ وہ دُنیا دار انسان ہے۔ حالانکہ انسانی فطرت میل کچیل سے نفرت کرتی ہے اور شائستگی کی معمولی حس بھی جس شخص کے اندر موجود ہو وہ صاف ستھرے انسان ہی سے مانوس ہوتا ہے۔ اِسی بنا پر اللہ کے راستے کی طرف دعوت دینے والے کے لیے یہ بات ضروری قرار دی گئی کہ اس کی ظاہری حالت بھی ایسی پاکیزہ اور نفیس ہونی چاہیے کہ لوگ اسے عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور اس کی شخصیت میں کوئی ایسی کثافت نہ پائی جائے جو طبائع کو اس سے متنفر کرنے والی ہو۔

تیسرا مفہوم اس ارشاد کا یہ ہے کہ اپنے لباس کو اخلاقی عیوب سے پاک رکھو۔ تمہارا لباس صاف ستھرا اور پاکیزہ تو ضرور رہو، مگر اس میں فخر و غرور، ریا اور نمائش، ٹھاٹھ باٹھ اور شان و شوکت کا شائبہ تک نہ ہونا چاہیے۔ لباس وہ اولین چیز ہے جو آدمی کی شخصیت کا تعارف لوگوں سے کراتی ہے۔ جس قسم کا لباس کوئی شخص پہنتا ہے اس کو دیکھ کر لوگ پہلی نگاہ ہی میں یہ اندازہ کر لیتے ہیں کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ رئیسوں اور نوابوں کے لباس، مذہبی پیشہ وروں کے لباس، متکبر اور برخود غلط لوگوں کے لباس، چھچھورے اور کم ظرف لوگوں کے لباس، بدقوارہ اور آوارہ منش لوگوں کے لباس، سب اپنے پہننے والوں کے مزاج کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اللہ کی طرف بلانے والے کا مزاج ایسے سب لوگوں سے فطرۃً مختلف ہوتا ہے، اس لیے اس کا لباس بھی ان سب سے لازماً مختلف ہونا چاہیے۔ اس کو ایسا لباس پہننا چاہیے جسے دیکھ کر ہر شخص یہ محسوس کرے کہ وہ ایک شریف اور شائستہ انسان ہے جو نفس کی کسی بُرائی میں مبتلا نہیں ہے۔

چوتھا مفہوم اس کا یہ ہے کہ اپنا دامن پاک رکھو۔ اردو زبان کی طرح عربی زبان میں بھی پاک دامنی کے ہم معنی الفاظ اخلاق بُرائیوں سے پاک ہونے اور عمدہ اخلاق سے آراستہ ہونے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ابن عباسؓ، ابراہیم نخعی، شعبی، عطاء، مجاہد، قتادہ، سعید بن جبیر، حسن بصری اور دوسرے اکابر مفسرین رحمہم اللہ نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ اپنے اخلاق پاکیزہ رکھو اور ہر قسم کی بُرائیوں سے بچو۔ عربی محاورے میں کہتے ہیں کہ فلانٌ طاھرُ الثیاب اور فلانٌ طاھرُ الذَّیل۔ "فلاں شخص کے کپڑے پاک ہیں یا اس کا دامن پاک ہے" اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کے اخلاق اچھے ہیں۔ اس کے برعکس کہتے ہیں فلانٌ دَنِسُ الثیاب۔ "اس شخص کے کپڑے گندے ہیں"۔ اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک بدمعاملہ آدمی ہے، اس کے قول قرار کا کوئی اعتبار نہیں۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ اور گندگی سے دُور رہو

(آیت ۵)

گندگی سے مراد ہر قسم کی گندگی ہے۔ خواہ وہ عقائد اور خیالات کی ہو، یا اخلاق و اعمال کی، یا جسم و لباس اور رہن سہن کی۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے گرد وپیش سارے معاشرے میں طرح طرح کی جو گندگیاں پھیلی ہوئی ہیں ان سب سے اپنا دامن بچا کر رکھو۔ کوئی شخص بھی تم پر یہ حرف نہ رکھ سکے کہ جن برائیوں سے تم لوگوں کو روک رہے ہو، ان میں سے کسی کا کوئی شائبہ تمہاری اپنی زندگی میں بھی پایا جاتا ہے۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے

(آیت ۶)

ان الفاظ کے مفہوم میں اتنی وسعت ہے کہ کسی ایک فقرے میں ان کا ترجمہ کر کے پورا مطلب ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جس پر بھی احسان کرو بے غرضانہ کرو۔ تمہاری عطا اور بخشش اور سخاوت اور حسنِ سلوک محض اللہ کے لیے ہو۔ اس میں کوئی شائبہ اس خواہش کا نہ ہو کہ احسان کے بدلے میں تمہیں کسی قسم کے دُنیوی فوائد حاصل ہوں۔ بالفاظِ دیگر اللہ کے لیے احسان کرو، فائدہ حاصل کرنے کے لیے کوئی احسان نہ کرو۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نبوت کا جو کام تم کر رہے ہو یہ اگرچہ اپنی جگہ ایک بہت بڑا احسان ہے کہ تمہاری بدولت خلقِ خدا کو ہدایت نصیب ہو رہی ہے، مگر اس کا کوئی احسان لوگوں پر نہ جتاؤ اور اس کا کوئی فائدہ اپنی ذات کے لیے حاصل نہ کرو۔ تیسرا مفہوم یہ ہے کہ تم اگرچہ ایک بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہو، مگر اپنی نگاہ میں اپنے عمل کو کبھی بڑا عمل نہ سمجھو اور کبھی یہ خیال تمہارے دل میں نہ آئے کہ نبوت کا یہ فریضہ انجام دے کر اور اس کام میں جان لڑا کر تم اپنے رب پر کوئی احسان کر رہے ہو۔

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو

(آیت ۷)

یعنی یہ کام جو تمہارے سپرد کیا جا رہا ہے، بڑے جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس میں سخت مصائب اور مشکلات اور تکلیفوں سے تمہیں سابقہ پیش آئے گا۔ تمہاری اپنی قوم تمہاری دشمن ہو جائے گی۔ سارا عرب تمہارے خلاف صف آرا ہو جائے گا۔ مگر جو کچھ بھی اس راہ میں پیش آئے، اپنے رب کی خاطر اس پر صبر کرنا اور اپنے فرض کو پوری ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ انجام دینا۔ اس سے باز رکھنے کے لیے خوف، طمع، لالچ، دوستی، دشمنی، محبت ہر چیز تمہارے راستے میں حائل ہو گی۔ ان سب کے مقابلے میں مضبوطی کے ساتھ اپنے موقف

پر قائم رہنا۔

یہ تھیں وہ اولین ہدایات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس وقت دی تھیں جب اُس نے آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ اُٹھ کر رسالت کے کام کا آغاز فرمائیں۔ کوئی شخص اگر ان چھوٹے چھوٹے فقروں پر اور ان کے معانی پر غور کرے تو اس کا دل گواہی دے گا کہ ایک نبی کو نبوت کا کام شروع کرتے وقت اس سے بہتر کوئی ہدایات نہیں دی جاسکتی تھیں۔ ان میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ آپ کو کام کیا کرنا ہے، اور یہ تعلیم بھی دے دی گئی کہ یہ کام کس نیت، کس ذہنیت اور کس طرزِ فکر کے ساتھ انجام دینا ہے اور اس بات سے بھی خبردار کر دیا گیا کہ اس کام میں آپ کو کن حالات سے سابقہ پیش آئے گا اور ان کا مقابلہ آپ کو کس طرح کرنا ہوگا۔ آج جو لوگ تعصب میں اندھے ہو کر یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ صرع کے دوروں میں یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہو جایا کرتا تھا وہ ذرا آنکھیں کھول کر ان فقروں کو دیکھیں اور خود سوچیں کہ یہ صرع کے کسی دورے میں نکلے ہوئے الفاظ ہیں یا ایک خدا کی ہدایات ہیں جو رسالت کے کام پر مامور کرتے ہوئے وہ اپنے بندے کو دے رہا ہے۔ (تفہیم القرآن، جلد ششم۔ المدثر۔ حواشی ۱ تا ۶)

خفیہ تبلیغ کا تین سالہ دَور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تبلیغِ رسالت کی جو حکمت سکھائی تھی اس کے مطابق آپ نے اپنا کام چھوٹتے ہی اعلانِ نبوت کر دینے اور لوگوں کو دعوتِ عام دینے سے نہیں کیا بلکہ ابتدائی تین سال تک آپ خفیہ طریقے سے اسلام کو اُن سعید روحوں تک پہنچاتے رہے جو محض دلیل و برہان اور تفہیم و تذکیر سے توحید کو قبول کرنے اور شرک چھوڑ دینے پر آمادہ ہو سکتی تھیں، اور اس کے ساتھ جن پر یہ اعتماد بھی کیا جا سکتا تھا کہ وہ اس تحریک کو اُس وقت تک راز میں رکھیں گی جب تک ہادیٔ برحق اعلانِ عام اور واشگاف دعوت الی اللہ شروع کر دینے کا فیصلہ نہ فرمائیں۔ اس کام میں سب سے زیادہ حضرت ابوبکرؓ[1] رضی اللہ عنہ کے اثرات کارگر ثابت ہوئے۔ اس کی وجہ طبری اور ابنِ ہشام نے یہ لکھی ہے کہ وہ نہایت ملنسار، خوش خُلق اور اپنی قوم میں مقبول و محبوب تھے۔ قریش میں کوئی شخص ان سے زیادہ اَنساب کا علم نہ رکھتا تھا اور نہ ان سے زیادہ کوئی

---

[1] ان کا اصل نام عبداللہ بن عثمان ابی قُحافہ تھا۔ لیکن ابوبکر ان کی کنیت اس قدر مشہور ہوئی کہ اصل نام اس کے پیچھے چھپ گیا۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ ان کو پاکیزہ خصلتوں میں اِبْتِکار (پیش پیش ہونے) کی وجہ سے ابوبکر کہا جاتا تھا۔ جاہلیت ہی میں وہ اس نام سے مشہور ہو چکے تھے۔

یہ جانتا تھا کہ قریش میں اچھے اور برے کون ہیں اور کس کے کیا اوصاف ہیں۔ تجارت پیشہ تھے اور اپنے حسنِ معاملہ کے لیے مشہور تھے۔ ان کی قوم کے لوگ ان کے علم، ان کی تجارت اور ان کے عمدہ برتاؤ کی وجہ سے بکثرت ان سے ملتے اور ان کے پاس آکر بیٹھتے تھے۔ اِس موقع سے فائدہ اُٹھا کر انھوں نے جن جن لوگوں پر اعتماد کیا ان تک دعوت پہنچائی اور ایک اچھی خاصی تعداد ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئی۔ پھر جو جو مسلمان ہوتا گیا وہ آگے اپنے حلقۂ احباب میں نیک روحوں کو تلاش کر کر کے اندر ہی اندر اسلام پھیلاتا گیا۔ اُس زمانہ میں مسلمان چھُپ چھُپ کر مکّہ کی سنسان گھاٹیوں میں نماز پڑھتے تھے تاکہ کسی کو ان کی تبدیلیِ دین کا پتہ نہ چل سکے۔

دارِ ارقم میں مرکزِ تبلیغ و اجتماع کا قیام ڈھائی سال سے کچھ زیادہ مدت ہی گزری تھی کہ ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس سے اندیشہ ہوا کہ کہیں کفارِ مکہ سے قبل از وقت تصادم شروع نہ ہو جائے۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ ایک روز مسلمان مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کے ایک گروہ نے انہیں دیکھ لیا اور ان کو سخت سُست کہنا شروع کیا۔ بات بڑھتے بڑھتے لڑائی تک پہنچ گئی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک شخص کو اونٹ کی ہڈی کھینچ ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ ابن جریر اور ابن ہشام نے اس واقعہ کو مختصراً بیان کیا ہے، مگر حافظ اُموی نے اپنی مغازی میں اس کی پوری تفصیل دی ہے اور بتایا ہے کہ وہ شخص جس کا سر پھٹا تھا وہ بنی تیم کا عبداللہ بن خطل تھا۔ اس کے بعد حضورؐ نے بلا تاخیر حضرت ارقمؓ بن ابی ارقم کے مکان کو، جو صفا کے قریب واقع تھا مسلمانوں کے اجتماع اور دعوت و تبلیغ کا مرکز بنا دیا تاکہ مسلمان یہیں جمع ہو کر نماز بھی پڑھیں اور جو جو لوگ خفیہ طریقہ سے مسلمان ہوتے جائیں وہ یہاں آتے رہیں۔ اسلام کی تاریخ میں اس دارِ ارقم کو لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ تین سال کی خفیہ دعوت کا دور ختم ہونے اور علانیہ دعوت عام شروع ہو جانے کے بعد بھی یہ مسلمانوں کا مرکز رہا۔ اِسی میں حضورؐ تشریف فرما رہتے تھے ، یہیں آکر مسلمان آپ کے پاس جمع ہوتے تھے، اور شعب ابی طالب کی محصوری تک (جس کا ذکر ہم آگے کریں گے) اِسی کو دعوتِ اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل رہی۔

تین سال کی خفیہ دعوت میں کتنا کام ہوا اب قبل اس کے کہ ہم علانیہ دعوت کے دور پر کلام شروع کریں ہمیں یہ دیکھ لینا چاہیے کہ خفیہ دعوت کے اِن تین سالہ دور میں کتنا کام ہوا تھا، قریش کے کن کن قبیلوں کے کون کون اور کتنے لوگ مسلمان ہو چکے تھے، اور قریش سے باہر کے لوگوں اور موالی اور غلاموں اور لونڈیوں میں سے کس کس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ذیل میں ہم ان کی وہ فہرست دیتے ہیں جو بڑی تلاش و تجسس کے بعد ہم نے جمع کی ہے، کیونکہ ان کی پوری فہرست کسی جگہ بھی یکجا نہیں ملتی۔

بنی ہاشم میں سے : (۱) جعفرؓ بن ابی طالب

(۲) حضرت جعفرؓ کی بیوی اسماءؓ بنت عُمیس خثعمیّہ[1]

(۳) حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب (حضورؐ کی پھوپھی اور حضرت زبیرؓ کی والدہ)

(۴) اَروَیٰؓ بنت عبدالمطلب (طُلَیبؓ بن عُمیر کی والدہ اور حضورؐ کی پھوپھی)

بنی المطّلب میں سے: (۵) عُبَیدہؓ بن الحارث بن مُطّلب

بنی عبد شمس بن عبد مناف میں سے: (۶) ابو حُذیفہؓ بن عُتبہ بن ربیعہ

(۷) ابو حُذیفہؓ کی بیوی سَہلہؓ بنت سُہیل بن عمرو

بنی امیّہ میں سے: (۸) عثمانؓ بن عفان

(۹) اُن کی والدہ اَرْویٰؓ بنت کُرَیز

(۱۰) خالد بن سعیدؓ بن العاص بن امیۃ ابو اُحَیحہ

(۱۱) اُن کی بیوی اُمَیمہؓ بنت خلف الخُزاعیہ (بعض نے اُن کا نام اُمَینہ لکھا ہے)

(۱۲) ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان (پہلے عبیداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ بعد میں ان کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا)

حلفائے بنی امیّہ میں سے: (۱۳) عبداللہؓ بن جحش بن رِئاب

(۱۴) ابو احمدؓ بن جحش

(۱۵) عبیداللہ بن جحش[2]

(یہ بنی غنم بن دُودان میں سے تھے۔ حضورؐ کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے اور ام المومنین حضرت زینبؓ کے بھائی تھے۔)

بنی تیم میں سے: (۱۶) اَسماءؓ بنت ابی بکرؓ

(۱۷) ام رُومانؓ (حضرت ابوبکرؓ کی اہلیہ اور حضرت عائشہؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر کی والدہ)

(۱۸) طلحہؓ بن عبیداللہ

(۱۹) اُن کی والدہ صَعْبہؓ بنت الحضرمی

---

[1] خواتین کا ذکر ہم زیادہ تر ان کے شوہروں یا بیٹوں کے ساتھ کریں گے۔ البتہ کہیں کہیں ان کا ذکر اُن کے اپنے خاندان کی نسبت سے بھی کر دیں گے۔

[2] یہ شخص مہاجرین حبشہ میں سے تھا۔ اپنی بیوی ام حبیبہؓ کے ساتھ اس نے ہجرت کی۔ پھر حبش میں عیسائی ہو کر مرا۔

(۲۰) حارثؓ بن خالد

حلفائے بنی تیم میں سے: (۲۱) صہیبؓ بن سنان الرومی

بنی اسد بن عبدالعزیٰ میں سے: (۲۲) حضرت زبیرؓ بن العوام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی)

(۲۳) خالدؓ بن حزام (حکیم بن حزام کے بھائی اور حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے)

(۲۴) اسودؓ بن نوفل

(۲۵) عمروؓ بن امیہ

بنی عبدالعزیٰ بن قصی میں سے: (۲۶) یزیدؓ بن زمعہ بن الاسود

بنی زہرہ میں سے: (۲۷) عبدالرحمٰنؓ بن عوف

(۲۸) ان کی والدہ شفاءؓ بنت عوف

(۲۹) سعدؓ بن ابی وقاص

(۳۰) ان کے بھائی عمیرؓ بن ابی وقاص

(۳۱) ان کے بھائی عامرؓ بن ابی وقاص

(۳۲) مطلبؓ بن ازہر (عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے چچا زاد بھائی)

(۳۳) ان کی بیوی رملہؓ بنت ابی عوف سہمیہ

(۳۴) طلیبؓ بن ازہر

(۳۵) عبداللہؓ بن شہاب (یہ ننھیال کی طرف سے امام زہری کے جد تھے)

حلفائے بنی زہرہ میں سے: (۳۶) عبداللہؓ بن مسعود (یہ قبیلۂ ھذیل میں سے تھے اور مکہ میں بنی زہرہ کے حلیف کی حیثیت سے رہتے تھے)

(۳۷) عتبہؓ بن مسعود (برادر عبداللہؓ بن مسعود)

(۳۸) مقدادؓ بن عمرو الکندی (اسود بن عبد یغوث زہری نے ان کو اپنا حلیف اور متبنّٰی بنا رکھا تھا)

(۳۹) خبابؓ بن الارت

(۴۰) شرحبیلؓ بن حسنۃ الکندی

(۴۱) جابرؓ بن حسنہ (شرحبیل بن حسنہ کے بھائی)

(۴۲) جنادہؓ بن حسنہ (" " ")

بنی عدی میں سے : (۴۳) سعیدؓ بن زید عمرو بن نفیل (حضرت عمرؓ کے بہنوئی اور چچا زاد بھائی)

(۴۴) ان کی بیوی فاطمہؓ بنت الخطاب (حضرت عمرؓ کی بہن)

(۴۵) زیدؓ بن الخطاب (حضرت عمرؓ کے بڑے بھائی)

(۴۶) عامر بن ربیعہؓ العنزی (حلیف بنی عدی۔ خطاب نے ان کو بیٹا بنا رکھا تھا)

(۴۷) ان کی بیوی لیلیٰؓ بنت ابی حثمہ

(۴۸) معمرؓ بن عبد اللہ بن نضلہ

(۴۹) نعیمؓ بن عبد اللہ النحام

(۵۰) عدیؓ بن نضلہ

(۵۱) عروہؓ بن ابی اثاثہ (عمرو بن العاص کے ماں جائے بھائی)

(۵۲) مسعودؓ بن سوید بن حارثہ بن نضلہ

حلفائے بنی عدی میں سے : (۵۳) واقدؓ بن عبد اللہ (ان کو بھی خطاب نے حلیف اور متبنیٰ بنا رکھا تھا)

(۵۴) خالدؓ بن بکیر بن عبد یالیل اللیثی

(۵۵) ایاسؓ " "

(۵۶) عامرؓ " "

(۵۷) عاقلؓ " "

بنی عبد الدار میں سے : (۵۸) مصعبؓ بن عمیر

(۵۹) ابو الروم بن عمیر (مصعبؓ بن عمیر کے بھائی)

(۶۰) فراسؓ بن النضر

(۶۱) جہمؓ بن قیس

بنی جمح میں سے : (۶۲) عثمانؓ بن مظعون

(۶۳) ان کے بھائی قدامہؓ بن مظعون

(۶۴) ان کے بھائی عبد اللہؓ بن مظعون

(۶۵) سائبؓ بن عثمانؓ بن مظعون

(۶۶) مَعمرؓ بن الحارث بن مَعمر

(۶۷) ان کے بھائی حاطبؓ بن الحارث

(۶۸) ان کی بیوی فاطمہؓ بنت مُجلّل العامریہ

(۶۹) معمر کے بھائی حطابؓ بن الحارث

(۷۰) ان کی بیوی فُکیہہؓ بنت یسار

(۷۱) سُفیانؓ بن معمر

(۷۲) نُبیہؓ بن عثمان

بنی سہم میں سے: (۷۳) عبداللہؓ بن حُذافہ

(۷۴) خُنیسؓ بن حُذافہ (حضرت عمرؓ کے داماد۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پہلے شوہر)

(۷۵) ہشامؓ بن العاص بن وائل

(۷۶) حارثؓ بن قیس

(۷۷) ان کے بیٹے بشیرؓ بن حارث

(۷۸) ان کے دوسرے بیٹے معمرؓ بن حارث

(۷۹) قیسؓ بن حُذافہ (عبداللہؓ بن حُذافہ کے بھائی)

(۸۰) ابوقیسؓ بن الحارث

(۸۱) عبداللہؓ بن الحارث

(۸۲) سائبؓ بن الحارث

(۸۳) حجاجؓ بن الحارث

(۸۴) بشرؓ بن الحارث

(۸۵) سعیدؓ بن الحارث

حلفائے بنی سہم میں سے: (۸۶) عُمیرؓ بن رئاب

(۸۷) مَحمِیَہؓ بن الجزء (یہ حضرت عباسؓ کی بیوی ام الفضلؓ کے ماں جائے بھائی تھے)

بنی مخزوم میں سے: (۸۸) ابو سلمہ عبداللہؓ بن عبدالاسد (حضورؐ کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی۔ ام المومنین ام سلمہؓ کے پہلے شوہر)

(۸۹) ان کی بیوی ام سلمہؓ (یہ اور ان کے شوہر ابو سلمہؓ ابو جہل کے قریبی رشتہ دار تھے)

(۹۰) اَرقمؓ بن ابی الارقم (جن کے دارِ ارقم کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔)

(۹۱) عیاشؓ بن ابی ربیعہ (ابو جہل کے ماں جائے بھائی۔ حضرت خالد بن ولید کے چچازاد بھائی)

(۹۲) ان کی بیوی اسماءؓ بنت سلامہ تمیمیہ۔

(۹۳) ولیدؓ بن ولید بن مغیرہ

(۹۴) ہشامؓ بن ابی حذیفہ

(۹۵) سلمہؓ بن ہشام

(۹۶) ہاشمؓ بن ابی حذیفہ

(۹۷) ھبارؓ بن سفیان

(۹۸) ان کے بھائی عبداللہؓ بن سفیان

حلفائے بنی مخزوم میں سے:

(۹۹) یاسرؓ (عمارؓ بن یاسر کے والد)

(۱۰۰) عمارؓ بن یاسر

(۱۰۱) ان کے بھائی عبداللہؓ بن یاسر

بنی عامر بن لؤیّ میں سے:

(۱۰۲) ابو سبرہؓ بن ابی رہم (حضورؐ کی پھوپھی برّہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے)

(۱۰۳) ان کی بیوی ام کلثومؓ بنت سُہیل بن عمرو (ابو جندلؓ کی بہن)

(۱۰۴) عبداللہؓ بن سُہیل بن عمرو

(۱۰۵) حاطبؓ بن عمرو (سُہیل بن عمرو کے بھائی)

(۱۰۶) سلیطؓ بن عمرو (سُہیل بن عمرو کے بھائی۔ اصابہ میں ان کو سُہیل بن عمرو کا بھتیجا لکھا ہے)

(۱۰۷) سکرانؓ بن عمرو (سُہیل بن عمرو کے بھائی۔ یہ ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے پہلے شوہر تھے)

(۱۰۸) ان کی بیوی سودہؓ بنت زمعہ (جو سکران کی وفات کے بعد ام المومنین بنیں)

(۱۰۹) سلیطؓ بن عمرو کی بیوی یقظہؓ بنت علقمہ (اصابہ میں ام یقظہ لکھا ہے اور ابن سعد نے فاطمہ بنت علقمہ ان کا نام بتایا ہے)

(۱۱۰) مالکؓ بن زمعہ (حضرت سودہؓ کے بھائی)

(۱۱۱) ابنِ امِّ مکتومؓ

بنی فہر بن مالک میں سے: (۱۱۲) ابو عبیدہؓ بن الجراح

(۱۱۳) سُہیلؓ بن بیضاء

(۱۱۴) سعیدؓ بن قیس

(۱۱۵) عمروؓ بن الحارث بن زُہیر

(۱۱۶) عثمانؓ بن عبد غنم بن زُہیر (حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے پھوپھی زاد بھائی)

(۱۱۷) حارثؓ بن سعید

بنی عبدِ قُصَی میں سے: (۱۱۸) طُلیبؓ بن عُمیر (حضورؐ کی پھوپھی اروی بنت عبدالمطلب کے بیٹے)

یہ وہ لوگ تھے جو قریش کے بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ ایک اچھی خاصی تعداد موالی، غلاموں اور لونڈیوں کی بھی تھی جنہوں نے خفیہ دعوت کے ان تین سالوں میں اسلام قبول کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:-

(۱۱۹) امّ ایمنؓ برکہ بنت ثعلبہ جنہوں نے بچپن سے حضورؐ کو گود میں پالا تھا۔

(۱۲۰) زِنّیرہؓ رومیہ۔ عمرو بن المؤمّل کی آزاد کردہ لونڈی

(۱۲۱) بلالؓ بن ابی رباح۔ یہ اُمیّہ بن خلف کے غلام تھے۔

(۱۲۲) اُن کی والدہ حمامہؓ

(۱۲۳) ابو فکیہہؓ یسار الجہنی۔ صفوان بن اُمیّہ کے آزاد کردہ غلام

(۱۲۴) لبینہؓ، مؤمّل بن حبیب کی لونڈی

(۱۲۵) امّ عُبیسؓ، بنی تیم بن مُرّہ یا بنی زہرہ کی لونڈی (پہلا قول زبیر بن بکار کا ہے اور دوسرا بلاذری کا)

(۱۲۶) عامرؓ بن فُہیرہ، طُفیل بن عبداللہ کے غلام

(۱۲۷) سُمیّہؓ (حضرت عمارؓ بن یاسر کی والدہ اور ابو حذیفہ بن مُغیرہ مخزومی کی لونڈی)

ان کے علاوہ غیر قریش میں سے جن لوگوں نے مکہ کے اس ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا وہ یہ تھے:

(۱۲۸) مِحجَنؓ بن الادرع الاسلمی

(۱۲۹) مسعودؓ بن ربیعہ بن عمرو۔ یہ بنی الھون بن خزیمہ کے قبیلۂ قارہ سے تھے۔

اس طرح ابتدائی چار مسلمانوں کے ساتھ ان ۱۲۹ اصحاب کے ملنے سے اُن لوگوں کی کل تعداد ۱۳۳ بن جاتی ہے جو حضورؐ کی دعوتِ عام شروع ہونے سے پہلے آپ پر ایمان لا کر جماعت مسلین میں شامل ہو چکے تھے۔ یہ وہ صحیح الفکر اور سلیم الفطرت لوگ تھے جنہوں نے محض دلیل اور افہام و تفہیم سے شرک کی بُرائی کو سمجھا، توحید کی حقیقت کو مانا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول تسلیم کیا، قرآن کو کلام الٰہی کی حیثیت سے اپنے لیے سرچشمۂ ہدایت قرار دیا، اور آخرت کی زندگی کو یقینی حقیقت سمجھا۔ اتنے مخلص اور دینی فہم رکھنے والے کارکن تیار کر لینے کے بعد حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے علی الاعلان دعوتِ اسلام کا کام شروع فرمایا۔ (اضافہ از مؤلف)

قرآن مجید وہ عظیم المرتبت کتاب جو ملتِ اسلامی کے وجود کی محافظ ہے اور جس کا محافظ خود خدا ہے۔ مگر دورِ حاضر میں پاکستان کے محققِ جلیل جناب مولانا ظفر اقبال کی تیس سالہ عرق ریزی اور تحقیق کے بعد پیک جنرلمیٹڈ کی طرف سے شائع ہونے والا **تجویدی قرآن مجید** اپنی مثال نہیں رکھتا۔ آرٹ پیپر، اعلیٰ دو رنگی طباعت، جلی حروف، سائز ۳۰×۲۰/۸ صفحات ۱۰۳۴۔ ہدیہ صرف ۳۴ روپے۔ ڈاک خرچ بذمہ ادارہ۔ تجویدی قرآن مجید حاصل کرنے کے لیے

اِدارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ۔ لاہور کو آرڈر دیجیے

ضروری التماس

خریداران ترجمان القرآن و ایجنٹ حضرات کی خدمت میں گذارش ہے کہ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر یا ایجنسی نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا مکمل پتہ ڈاک خانہ، تحصیل و ضلع خوشخط اور واضح الفاظ میں درج ہونا چاہیے۔ نیز منی آرڈر ارسال کرتے وقت ساتھ ہی بذریعہ خط ترسیل رقم کی اطلاع کر دیا کریں۔ ان امور کی پابندی کے بغیر دفتر کو عدمِ تعمیل کی شکایت کا ذمہ دار ٹھیرانا درست نہیں ہوگا۔

منیجر